ملزم پر جسمانی تشدد قانونی وشرعی تناظر میں

The legal and Islamic perspective of the use of violence against an accused

☆سید عزیز

☆☆ ڈاکٹر طاہر مسعود قاضی

ABSTRACT

This research paper is based on the legitimacy and illegitimacy of physical violence against the accused in a legal and Shariah context. Nowadays, the accused is subjected to mental and physical violence for various reasons. Investigative agencies, especially the police tries to obtain confessions and other required information like evidence by torturing the accused. Are confessions or testimonies based on physical violence admissible in a legal and Shariah context? Can a case be decided by getting a statement of one's own accord from the accused due to physical and mental torture? An attempt has been made to research the relevant issues in the under review article.

Keywords: Violence, Legal, Shariah, Law.

ملزم وہ شخص ہوتا ہے جس پر محض کسی جرم کے ارتکاب کا الزام ہو۔ یہ الزام غلط بھی ہو سکتا ہے اور درست بھی اس کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے تفتیش کا عمل اشد ضروری ہے۔ پاکستان میں تفتیش کرنے کا اختیار بالخصوص فوجداری مقدمات میں پولیس کے پاس ہوتا ہے۔ پولیس ملزم کو پکڑتی ہے اور جرم کا سراغ لگانے میں سرگرم عمل ہوتی ہے۔ ملزم کو پکڑنے بعد پولیس تفتیش کا عمل شروع کرتی ہے۔ تفتیش کا اصل مقصد جرم سے متعلق شہادت کا حصول ہے پولیس اس مقصد کو پورا کرنے میں ملزم کو مختلف ذہنی اور جسمانی آزمائش سے گزارتی ہے۔ ایسی ذہنی یا جسمانی آزمائش جس میں ملزم پر کاری ضرب لگائی جائے یا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں ملزم ذہنی طور پر مفلوج ہو جائے اس طرز عمل کو تشدد کا نام دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں مروج طریقہ تفتیش، بالخصوص پولیس کے تفتیشی اداروں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اقرار جرم یا دیگر قسم کی شہادت کے حصول کے لیے ملزم پر تشدد کیا جاتا ہے۔ یہ تشدد اس قدر سخت ہوتا ہے کہ بعض اوقات دوران تفتیش ملزم کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی خاموشی اور

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف لاہور

☆☆ چیئرمین شعبہ اسلامک سٹڈی، گیریژن یونیورسٹی، لاہور

حکومت کے علم میں ہونے کے باوجود کوئی خاطر خواہ ردعمل ظاہر نہیں کیا جاتا جس سے عوام الناس میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ تفتیشی اداروں کا ملزم پر اس طرح ظلم و تشدد روا رکھنا شاید آئینی اور قانونی ہے۔ زیر نظر آرٹیکل میں اسی عقدہ کو رائج الوقت قانون اور شریعت اسلامیہ کے تناظر میں مختصر مگر جامع انداز میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اقبال جرم کے حصول کے لیے جسمانی تشدد

اقبال / اقرار جرم سے مراد کسی شخص کا اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کو مکمل طور پر یا جزوی طور پر تسلیم کر لینا کہ وہ اس جرم میں اس حد تک شریک ہوا ہے یا جرم اس سے سرزد ہوا ہے اقبال جرم / اقرار جرم کہلاتا ہے ۔ یہ اقرار تحریری ، تقریری یا اشاری کسی بھی صورت میں ہو سکتا ہے ۔پاکستان کے رائج قانون میں اقرار جرم کو Confession کہتے ہیں جس کا مطلب اقبال جرم ہے۔ قانون شہادت کے آرٹیکل 37,38,39 میں اقرار جرم کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ قانونی لغات میں اقبال جرم کی وضاحت کچھ اس طرح کی جاتی ہے۔

CONFESSION:

> "In criminal law. A voluntary statement made by a person charged with the commission of a crime or misdemeanor, communicated to another person, wherein he acknowledges himself to be guilty of the offense charged, and discloses the circumstances of the act or the share and participation which he had in it"(1)

کسی شخص کی مرضی پر مبنی ایسا بیان جو اس کو مجرم یا خطاکار ثابت کرے ، وہ تمام حالات، مشترکات اور خصوصیات جو اس فعل سے متعلق ہوں، جن کا وہ مرتکب ہوا ہو، کسی ایسے دوسرے شخص کو بتائے ، یہ جانتے ہوئے کہ وہ اپنے خلاف جرم ثابت کر رہا ہے، اقبال کہلائے گا۔

پاکستان کے قانون مجموعہ ضابطہ فوجداری میں اس کی وضاحت دفعہ نمبر ۱۶۴ میں کی گئی ہے اور اس کا طریقہ بھی وضع کیا گیا ہے۔ مذکورہ دفعہ کے مطابق اقبال جرم کا بغیر جبر و اکراہ کے ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ پولیس کی حراست میں لیا گیا ہے تو قابل ادخال شہادت نہ ہوگا۔ نیز اس اعتراف میں عدالت ملزم کو مکمل طور پر ایسا ماحول دے گی جس کی بنا پر وہ اپنے اوپر کسی بھی خوف کو محسوس نہ کرے۔

(1) Featuring Black's Law Dictionary Free Online Legal Dictionary 2nd Ed

اقبال جرم اور اس کی صورتیں: Admission/ Confession

ملزم جب اقرار جرم کرلیتا ہے تو بادی النظر میں مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی اور مقدمہ میں تفتیش کے طویل طریقہ کار کا اختتام ہو جاتا اور ملزم شخص مجرم کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ فوجداری مقدمات میں اقبال جرم کی دو صورتیں ہیں۔

- عدالتی اقرار جرم Judicial Confession
- غیر عدالتی / زائد اقرار جرم Extra Judicial Confesstion

ان دونوں صورتوں میں ملزم کا اقبال جرم دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف بطور شہادت قابل قبول ہے یا نہیں۔ ہر دو صورتوں میں قانون نے اس کی وضاحت کی ہے کہ کون سا اقبال کس کیفیت اور کس حیثیت میں قابل ادخال شہادت ہو گا۔

عدالتی اقرار جرم: Judicial Confession

عدالتی اقرار جرم سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی ملزم نے اپنا اقبال جرم کسی مجسٹریٹ درجہ اول یا مجسٹریٹ درجہ دوم جس کو صوبہ کی حکومت نے خاص طور پر یہ اختیار دیا ہو، اس کے سامنے کیا ہو اور جس کو اقبال جرم لینے والے کی ہدایات پر مطلوبہ شرائط کے ساتھ رقم کیا گیا ہو تو اس کو عدالتی اقبال کہتے ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اقبال جرم لینے والے مقتدرین میں سے پولیس افسر کو دفعہ نمبر ۱۶۴ مجموعہ ضابطہ فوجداری کے تحت خارج کر دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں پولیس کا کوئی افسر اعتراف جرم اگر کروائے تو اس کو من و عن قانوناً تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ قانون میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ اگر کسی ملزم کا وہ بیان جو کسی عدالت میں اس طرح لیا گیا ہو جس میں کسی قسم کے جبر و اکراہ کا کوئی شائبہ بھی نہ ہو اور ملزم اپنے اعتراف کو بغیر دباؤ کے بیان کرے اس بیان کو بطور اقبال جرم تحریر کیا جائے گا اور یہ قبل ادخال شہادت ہو گا۔[۱]

معلوم ہوا کہ جس خدشہ کے تحت پولیس کی حراست میں ملزم کے اقرار جرم کو ناقابل ادخال شہادت قرار دیا گیا ہے اس میں اصل علت تشدد، دباؤ، دھمکی وغیرہ کا ہونا ہے۔ قانون کے سامنے جتنے بھی وثوق سے یہ بات کی جائے کہ ملزم سے جو اقرار لیا گیا ہے وہ اس کی مرضی سے ہے پھر بھی اس اقرار جرم کو قابل ادخال شہادت قرار نہیں دیا جاسکتا

(1) Major Act 2007, A Publication of PLJ Committee,Punjab Bar Council, 9-fane Road, Lahore,P:395

ہے یہاں تک کہ مجسٹریٹ ملزم پر جب تک یہ واضح نہیں کر دیتا کہ اس کے اقرار جرم پر اسے کس قسم کی سزا جھیلنا پڑے گی اس وقت تک مجسٹریٹ کے سامنے لیا گیا بیان بھی درست نہیں کہلاتا اور اگر اقرار جرم کے لیے ملزم کو بالکل آزادانہ ماحول مہیا نہیں کرتا تو بھی یہ اقرار قانوناً قابل ادخال شہادت نہیں۔

غیر عدالتی / زائد اقبال جرم: Extra Judicial Confesstion

اگر کسی ملزم نے عدالت کے علاوہ کسی جگہ اپنا اقبال جرم کیا تو اس کو غیر عدالتی بیان کہا جاتا ہے۔[۱] دوسرے الفاظ میں ایسا اعتراف جو عدالت یا کسی مقتدر شخصیت جو تفتیش و تحقیق کے لئے قانونی اختیار رکھتی ہو اس کے علاوہ کسی ایسے شخص کے سامنے ہو جس کو قانوناً ایسا کوئی بھی اختیار حاصل نہ ہو کہ وہ اعتراف جرم کو محفوظ کرے، اس کے سامنے کیا ہوا اقبال جرم بھی بطور شہادت تسلیم نہ ہو گا۔[۲]

عدالت نے غیر عدالتی اقبال جرم کو پیش کرنے کے ساتھ انتہائی احتیاط برتی ہے۔ کیونکہ عدالت کی نظر میں کوئی بھی شخص اپنے جرم پر کسی کو گواہ نہیں بناتا۔ تاہم اگر کسی کا اقبال جرم کسی شخص کے سامنے ہوا ہے تو اس کے لئے تمام مواد اور ملزم سے متعلقہ حالات واقعات کو مد نظر رکھا جائے گا۔[۳]

اقبالی بیان کی صورت:

قانون شہادت کے آرٹیکل ۳۷ میں اقرار جرم کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ فوجداری مقدمات میں ملزم کے اقرار جرم کی صورت اگر اس طرح کی ہے کہ جس میں ملزم کو کسی ترغیب، دھمکی یا وعدہ کی بنا پر کوئی اقرار کروایا گیا ہے تو اس اقبال جرم کو قانونی طور پر غیر مؤثر اور ناقابل ادخال شہادت قرار دیا گیا ہے۔ مذکورہ آرٹیکل میں تین صورتوں کا ذکر ہوا ہے کہ اگر ان میں سے کسی بھی صورت میں اقبال جرم ہوا ہو گا تو قبول نہ کیا جائے گا۔

اگر کسی ملزم کو کسی بھی دھمکی تشدد یا ترغیب کے ضمن میں کوئی اقبالی بیان دلوایا جائے خواہ وہ مجسٹریٹ کے سامنے ہی اقبال کیوں نہ ہو وہ قابل قبول نہ ہو گا۔ اسی وجہ سے مجسٹریٹ کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ جب کسی ملزم سے اقبالی بیان درج کرے تو اس سے دریافت کرے کہ وہ کتنے عرصے سے زیر حراست ہے۔ مجسٹریٹ کو ایسے سوالات ضرور

---

(۱) ملک ارشاد احمد ارشد، ایڈووکیٹ، قانون شہادت، آرڈر ۱۹۸۴، کنٹری، منصور بک ہاؤس، 2 کچہری روڈ، (انارکلی، لاہور، ص:۵۹

(2) 2004,MLD,910 ,۳۹۶ Major Act 2007

(3) Major Act 2007, 2006,SCMR,231,۳۹۶

کرنے چاہییں جس پر یہ اطمینان ہو جائے کہ اقبال رضا کارانہ کیا جارہا ہے [۱] ۔ اگر کسی شخص نے عدالت میں اقبال جرم کرنا ہے تو اس کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۶۴ کے تحت لیا جائے گا۔ اس میں مجسٹریٹ یا عدالت اقبال جرم کرنے والے کو مکمل طور پر ترغیب دے گی اور اس اقبال جرم کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہوئے اس بات کو باور کرے گی کہ یہ اقبال بغیر کسی خوف اور ڈر کے دیا جارہا ہے۔ مزید یہ بھی باور کرے گی کہ یہ اقبالی بیان کسی ترغیب یا ترہیب پر نہیں دیا جارہا۔ اطمینان قلب کے بعد اس کو ضبط تحریر کیا جائے گا اور عدالت اپنے تأثرات کا اظہار کرے گی۔ تب اس اقبالی بیان کو تسلیم کیا جائے گا۔

اقرار جرم کے ان اصولوں کے مطابق یہ بات بالکل کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگر کسی ملزم نے اعتراف جرم کیا ہے تو اس کو ہر پہلو سے جانچا جائے گا کہ کہیں اس کا یہ بیان کسی لالچ، دھمکی، ترغیب، دھوکہ یا وعدہ کا نتیجہ تو نہیں ہے۔ اس پر بہت ساری عدالتوں کے ریمارکس موجود ہیں کہ ایسا اقبالی بیان جو کسی ملزم کا عدالت کی کسٹڈی میں دیا گیا ہو اس کو بھی قابل ادخال شہادت تسلیم نہ کیا جائے اور اس بیان کی تنقیح طلب واقعہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

پاکستان کے قانون میں پولیس کو جرم کی تفتیش میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اس کی تفتیش پر مقدمہ عدالت میں چلتاہ۔ لیکن تفتیش کے عمل میں اگر ملزم اقرار جرم کرتا ہے تو قانون اس کے اس اعتراف کو اس لیے قبول نہیں کرتا کہ وہ اقرار ملزم سے پولیس کی حراست میں لیا گیا ہے جس میں ملزم کا زہنی طور پر مرعوب ہونا ایک فطری عمل ہے۔ اس لیے قانون شہادت میں ایسا اقرار خواہ اسے ملزم کی مرضی پر کے ساتھ پیش کیا جائے قبول نہ ہو گا [۲] بلکہ قانون ملزم کو یہ ہمت اور حوصلہ دیتا ہے کہ اگر کسی ملزم کا پولیس کی تحویل میں اقرار جرم ہو اور اس کو قلم بند کیا جائے تو ملزم کو چاہیے کہ وہ اس پر دستخط نہ کرے اور نا ہی ایسی تحریر بطور شہادت قابل قبول ہو گی [۳] ۔

قانون شہادت میں ایسے شخص کے اقرار جرم کو ناقابل ادخال شہادت قرار دیا گیا ہے جو کسی بھی عہدہ دار کے سامنے کیا ہو مگر وہ اس وقت پولیس کی حراست میں ہو تو ایسا اقبال جرم اس شخص کے خلاف ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اگر یہ اقبال کسی عدالت یا مجسٹریٹ کے سامنے ہو تو اس کو قبول کیا جائے گا [۴] ۔

---

[۱] قانون شہادت، آرڈر ۱۹۸۴ء، کمنٹری، ص:۵۹

[۲] قانون شہادت آرٹیکل ۳۸

[۳] مجموعہ ضابطہ فوجداری، دفعہ، ۱۶۲

[۴] قانون شہادت آرٹیکل، ۳۹

ملزم کو بظاہر تو عدالتی تحویل میں رکھا جائے مگر اس پر پہرہ داری کے لئے پولیس ہو تو اس حراست کو پولیس کی حوالات ہی شمار کیا جائے گا اس کو عدالتی تحویل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایک مقدمہ میں عدالتی تحویل کی صورتحال یہ بیان کی گئی تھی کہ اس پر پولیس گارڈ ایک ہیڈ کانسٹیبل کی سربراہی میں پہرہ داری تھی اور ہیڈ کانسٹیبل اپنے فرائض پولیس تھانوں کی طرح سرانجام دیتا تھا اور روزنامچہ تیار کرتا تھا، تو اس طرح تحویل میں رکھے گئے شخص کے اقبال جرم کو ناقابل ادخال شہادت قرار دیا گیا[1]۔

پاکستان میں رائج قانون کی کسی شق میں یا کسی بھی جگہ پر یہ دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی ملزم سے تفتیش یا تحقیق و تجویز کے دوران جسمانی تشدد کی اجازت دی گئی ہو۔ بلکہ جسمانی تشدد سے قانون میں منع کیا گیا ہے۔

دیگر حصول شہادت کے لیے جسمانی تشدد:

تفتیش میں ملزم سے دیگر شہادت و بینہ کی دریافت اور حصول کے لیے بھی ملزم پر جسمانی تشدد کو روا رکھا جاتا ہے۔ کیا اقرار جرم کے علاوہ دوسری بینہ و شہادت کے لیے ملزم پر تشدد کرنا آئینی و قانونی طور پر جائز ہے؟

آئین پاکستان میں کسی بھی ملزم پر تشدد کرنے سے منع کیا گیا ہے بالخصوص جو کسی شہادت کے حصول کے لیے ہو۔ چنانچہ آئین میں درج ہے کہ:

> "No person shall be subjected to torture for the purpose of extracting evidence"[2]

"کسی شخص کو شہادت حاصل کرنے کے غرض سے اذیت نہیں دی جائے گی"

پاکستان کا کوئی بھی قانون آئین کے برعکس نہیں بنایا جاسکتا۔ مذکورہ بالا آرٹیکل کے موجود ہونے کے بعد کوئی بھی قانون ایسا تشکیل نہیں دیا جاسکتا جس میں کسی شخص کو محض اس غرض سے تشدد کا نشانہ بنایا جائے کہ اس سے شہادت کا حصول ممکن ہو سکے۔

اب اگر بات کی جائے پولیس کے جسمانی تشدد کی تو یہ بات کسی بھی مقتدر سے ڈھکی چھپی نہیں کہ پولیس ملزم پر تشدد نہیں کرتی بلکہ تفتیش کے آڑ میں ملزم پر پولیس کا بدترین تشدد سامنے آتا ہے۔ پاکستان پولیس کے ایک انوسٹی

---

(1) PLD,(Pakistan Law Digest)1973,Law,714

(2) The constitution of the Islamic Republic of Pakistan,Artile:14

گیشن آفیسر خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ تفتیش کے دوران سب سے معیوب اور غیر قانونی طریقہ تشدد کا ہے اور تشدد کے ذریعے جرم کا سراغ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے[۱]۔

پولیس کے تشدد کے چرچے تو سرعام ہیں اور تھانوں میں جو انسانیت سوز ظلم دیکھنے کو ملتا ہے جیسے چھتر ول کرنا، الٹا لٹکانا، تلووں پر ضربیں لگانا، سانس بند کرنا، پانی میں ڈبونا اس طرح کی بے شمار جسمانی اذیتیں روا رکھی جاتی ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ تمام کاروائی شرف انسانیت کے برعکس ہے۔ حالانکہ آئین انسان کے اشرف ہونے کو مقدم کرتا ہے اور کسی بھی لحاظ سے شرف انسانیت کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دیتا[۲]۔ ملزم پر جسمانی تشدد تو درکنار ملزم کی تضحیک کی بھی قانون اجازت نہیں دیتا۔ اگر دوسرے الفاظ میں بیان کیا جائے تو ملزم کو سوائے بعض ناگزیر قانونی وجوہات کے ہتھ کڑی لگانا بھی درست نہیں ہے چہ جائے کہ ملزم پر بے رحمانہ تشدد کیا جائے اور اس پر جسمانی یا ذہنی تشدد کی قانونی اجازت ہو۔ ایک مقدمہ میں اسلام آباد ہائی کورٹ نے ملزم کو گرفتار کرکے اس کی تضحیک کرنے سے منع کیا ہے[۳]۔

معاشرے میں ایک غلط فہمی سرایت کر چکی ہے کہ جب عدالت کسی ملزم کا جسمانی ریمانڈ جاری کرتی ہے تو گویا کہ اس نے پولیس کو دوران تفتیش جسمانی اذیت دینے کی اجازت دے دی ہے۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تفتیشی افسر بھی ملزم پر جسمانی تشدد کو جائز سمجھنے لگے ہیں حالانکہ جسمانی ریمانڈ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پولیس ملزم کو اپنی حراست میں رکھ سکتی ہے اور ملزم سے جو معلومات درکار ہوتی ہیں وہ حاصل کرے اور عدالت ملزم سے یہ توقع کر رہی ہوتی ہے کہ ملزم پولیس کے ساتھ تعاون کرے گا۔ تاہم جسمانی ریمانڈ سے کسی بھی لحاظ سے یہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ ملزم پر دوران تفتیش جسمانی تشدد کیا جائے۔ اگر پولیس کی حراست میں ملزم پر جسمانی تشدد کیا جائے تو پولیس ایکٹ کی رو سے تشدد کرنے والے افسر کو تین سال کی قید اور جرمانہ کی سزا دی جائے گی[۴]۔ تعزیرات پاکستان کے تحت اگر پولیس تشدد کرتی ہے، زخم لگاتی ہے یا ملزم کو حبس بے جا میں رکھتی ہے تو اس کو قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا گیا ہے۔ جرم ثابت ہونے پر ذمہ دار پولیسے افسر یا اہلکار کو پانچ سال قید اور جرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے۔

قانونی نقطہ نظر سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ قانون پاکستان میں کسی تفتیش افسر کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ملزم پر کسی قسم کا جسمانی یا ذہنی تشدد کرے بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی تفتیشی افسر کسی ملزم کی تضحیک کرنے کا بھی روادار نہیں ہے پاکستان کے آئین و قانون میں کسی شخص کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم نہیں کیا

---

(۱) شفقات احمد، چودھری، پولیس، جرائم اور تفتیش، کوآپریٹوبک کمپنی، اردو بازار، لاہور، باب 9 ص:120

(2) The constitution of the Islamic Republic of Pakistan,Artile:14

(۳) روزنامہ نوائے وقت، ۱۴-فروری ۲۰۲۰

(4) Police Act, Sce. 156

جاسکتا بجز اس کے کہ قانون اس کی اجازت دے۔ کسی بھی تفتیشی افسر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ملزم پر کسی سزا کی تنفیذ کرے۔ یہ کام عدالت کا ہے اور عدالت بھی وہ ہی سزا دینے کی مجاز ہے جو قانون میں جرم کے بالمقابل درج ہے۔

ملزم پر جسمانی تشدد کا شرعی تصور

قانونی بحث کے بعد اسلامی تناظر میں ملزم پر جسمانی تشدد کے جوزاو عدم جوزا پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ اسلام ایک ابدی اور لافانی مذہب ہے جس کا ہر قانون فطرت انسانی کا عکاس ہے۔ عدل و انصاف اسلام کا خاصہ ہے۔ اسلام کا عدالتی نظام انتہائی فعال اور منظم ہے جس میں بلا تخصیص تنفیذ سزا کا حکم ہے۔ یہ سزا خواہ کسی وقت کے حاکم کے خلاف ہو یا رعایا کے کسی فرد کے خلاف، اسلام کی عدالت میں مجرم ضرور سزا پاتا ہے۔ اسلام نے انسان کے جان و مال اور عزت کو محفوظ کر دیا ہے اگر کوئی شخص کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگاتا ہے اور اس کی عزت نفس کو داغدار کرتا ہے تو شریعت اسلامیہ میں اسے جرم قرار دیا گیا ہے جس کی سزا قوانین اسلام میں قصاص کے زمرے میں درج ہے۔ جب جھوٹے الزام لگانے کو شریعت میں جرم قرار دیا گیا ہے تو محض الزام کی بنا پر کسی کو زدو کوب کرنا اور دوران تفتیش اس پر جسمانی تشدد کرنے کی اسلام کیوں کر اجازت دے گا۔ اسلام میں حاکم کو یا مقتدر کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی دانست کے مطابق جو مرضی آئے کرتا چلا جائے اگر وہ بھی عدل و انصاف سے ہٹ کر کوئی قدم اٹھائے گا جس سے کسی شخص کے حقوق پامال ہوتے ہوں تو اسلام اس مقتدر پر بھی تنفیذ سزا کا حکم صادر کرتا ہے۔ ذیل میں چند ایک امثلہ اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو ایک خطبہ میں کہا کہ گورنروں کو اس لئے مقرر نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کے جسموں کو اذیت دیں یا ان کا مال ہڑپ کر جائیں اگر کسی گورنر نے ایسا کیا تو میں اس سے قصاص لوں گا، اس پر حضرت عمرو ابن العاص نے کہا کہ اگر کوئی حاکم اپنی رعایا کی اصلاح کے لئے ایسا کرتا ہے کہ کسی شخص کو سزا دیتا ہے تو کیا اس سے بھی قصاص لیا جائے گا؟ تو جواب میں سیدنا عمر نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس سے بھی قصاص لوں گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کیا[1]۔ اسی طرح ایک مقدمہ میں حضرت عمر نے حضر عمرو بن العاص کو کھلی عدالت میں قصاص کے لئے طلب کیا اور مجروح سے کہا کہ اپنے سو کوڑوں کا بدلہ لے لو جس پر حضر عمرو بن العاص نے ہر کوڑے پر دو اشرفیاں دے کر مضروب کو راضی کیا[2]۔

---

(۱) أبو داود، سليمان بن الأشعث، (دون السنة)، السنن، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت. ١٨٣/٤، رقم الحديث، ٤٥٣٧

(۲) أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة الأنصاري، (دون السنة)، الخراج، الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث.ص ١٢٩

حضرت نعمان بن بشیر کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں ایک شخص کو چوری کے جرم میں لایا گیا۔ آپؓ نے اسے قید کیا، اس سے تفتیش کی اور کوئی قرینہ بھی سامنے نہ آیا کہ ملزم نے چوری کی ہے تو آپؓ نے اسے چھوڑ دیا۔ مدعی نے آکر دریافت کیا تو آپؓ نے کہا کہ اس پر الزام ثابت نہیں ہوا اس لئے اسے چھوڑ دیا گیا ہے، اس پر مدعی نے کہا کہ آپ نے بغیر سختی کئے اور مارے اسے چھوڑ دیا ہے اس سے شائد وہ اعتراف کرلیتا۔ حضرت نعمان نے فرمایا کہ میں اس کی پیٹھ پر کوڑے مارتا ہوں اگر مال برآمد نہ ہوا تو اتنے کوڑے آپ (مدعی) کی پیٹھ پر ماروں گا، اس پر مدعی نے کہا کہ یہ آپ کا حکم ہے؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے[1]۔ اگر ملزم کو غلطی کی بنا پر سزا دی گئی ہے تو اس میں تاوان ہے اسی لئے حدیث میں معاف کرنے کی غلطی کو سزا دینے کی غلطی پر ترجیح دی گئی ہے[2]۔ حضرت عمر کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کسی شخص کو غلطی کی بنا پر سزا دی تو بعد میں معلوم ہونے پر خود کو قصاص کے لئے پیش کیا اور معافی مانگی[3]۔

شریعت اسلامیہ میں قصاص کا قانون انتہائی اہم ہے۔ زبان درازی سے لے کر دست درازی تک ہر قسم کے جانی ومالی نقصان کا ازالہ قصاص کی صورت میں موجود ہے۔ معاشرے کا عام فرد تو درکنار کسی مقتدر کو بھی یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی وجہ کے ایسا فعل سرانجام دے جس سے کسی شخص کی عزت نفس پامال ہو۔ شہادت کے حصول اور اقرار جرم کے لیے ملزم پر تادیبی سزا کے نفاذ کی شرعی حیثیت کیا ہوسکتی ہے؟ ذیل میں اس پر بحث رقم کی جاتی ہے۔

اقرار جرم بالجبر کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض امور میں اسے قبول کیا جاتا ہے اور بعض مقدمات میں اس کے قبول کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں جیسے حقوق اللہ یا حدود اللہ میں کسی شخص کو نا تو قید کیا جاسکتا ہے اور ناہی جبراً اس سے اقرار لینے کی اجازت ہے گر کسی ملزم کو مارتے ہوئے اقرار لیا جائے گا تو یہ اقرار معتبر نہ ہوگا[4]۔ اس لیے ایسے امور جن میں کیپیٹل پنشمنٹ کا عمل دخل ہے وہاں اقرار بالجبر کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کسی شخص کو مار پیٹ کر چوری کا اقرار

---

(۱) أبو داود، سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي، السنن، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت. ٤/١٣٥،رقم الحديث:٤٣٨٢

(۲) الترمذي، محمد بن عيسى بن، (١٣٩٥هـ)، السنن، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر. ٣/٨٥، رقم الحديث،١٤٢٤

(۳) أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة الأنصاري، (دون السنة)، الخراج، الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث. ص ١٢٨

(۴) الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب، (دون السنة)، الأحكام السلطانية للماوردي، الناشر: دار الحديث، القاهرة . ص٣٢٢

کروایا جائے تو اس اقرار پر قطع ید کی سزا نہیں دی جاسکتی اور نا ہی اس سے مؤاخذہ مال کیا جاسکتا ہے[1]۔ حضرت عمر نے اقرار بالجبر کے بارے میں فرمایا کہ اگر کسی ملزم کو قید کیا جائے، بھوکا رکھا جائے یا ڈرایا جائے اس سے بعید نہیں کہ وہ اپنے خلاف کسی جرم کا اقرار کر لے۔[2] یہ اقرار کی وہ صورت ہے جس میں جرم کا تعلق خود مقر کی ذات سے ہوتا ہے اور اس کی سزا بھی اسی کو ملتی ہے۔ ایسا اقرار جو جبر کی بنا پر کیا گیا ہو اگر ملزم جبر کی کیفیت کے ختم ہونے پر اس کا انکار کر دیتا ہے اور اس وقت تک اس سے مطلوبہ مقصد بھی اخذ نہیں ہوتا تو مقر کو اس کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ اگر کوئی اقرار جبر کی بنا پر کروایا گیا ہو تو جیسے ہی جبر ختم ہو گا یا اٹھے تو مقر اس کا انکار کر سکتا ہے[3]۔

اگر اقرار کسی اطلاع سے متعلق ہو اور ملزم اس بات کو چھپانا چاہ رہا ہو تو اس صورت میں اقرار کے لئے جبر کا جواز موجود ہے جیسے اگر کسی شخص نے کسی مجرم کو پناہ دی ہوئی ہے اور ثابت ہو گیا کہ اس نے پناہ دی ہے تو اس کو مجرم کی بازیابی کے لئے پیٹا جائے گا اگر وہ بتادے تو درست ورنہ اس کو تب تک قید کیا جائے گا جب تک کہ وہ بتانہ دے۔ اس صورت میں اقرار کی کیفیت کچھ اور ہے یہ اقرار جرم اصل مجرم تک پہنچنے کے لئے کروایا جارہا ہے۔ ہاں اگر مجرم کے بارے میں جانتا نہیں مگر قرابتداری ہے اور مجرم کے ٹھکانے کا اور اس کے مال کے چھپانے کا علم نہیں تو تحقیق کی جائے بغیر تحقیق کے اس کو عقوبت سے گزارنا قطعاً جائز نہیں[4]۔ مزید یہ کہ اگر ملزم سے متعلق ایسے ثبوت موجود ہیں کہ وہ عادی مجرم ہے یا اس پر لگنے والے الزام کے ثبوت میں قرینے موجود ہیں تو اس صورت میں قاضی ملزم سے اقرار بالجبر کرواسکتا ہے جیسے قرض وغیرہ سے متعلق تحریر موجود ہے مگر شہادت یا گواہ میسر نہیں ہیں تو اس صورت میں قاضی ملزم کو قید بھی کر سکتا ہے اور اسے ڈرا دھمکا کر اعتراف بھی کرواسکتا ہے[5]۔ ایسے اقرار بالجبر کا مقصد حقائق کا معلوم کرنا ہے اور اس کے پیچھے تفتیش کے عمل میں قرینہ کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اگر قرینہ موجود نہیں ہے تو ملزم کو قید کرنا، سزا دینا، یا زدوکوب کرنا شرعاً جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قرینہ کی موجودگی میں اقرار بالجبر کی چند ایک امثلہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

---

(۱) أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة الأنصاري، (دون السنة)، الخراج، الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث. ص١٩١

(۲) نفس المصدر

(۳) النسفي، أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود، (٢٠١١م)، كنز الدقائق، الناشر: دار البشائر الإسلامية، دار السراج. ص ٥٦٩

(۴) ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، (١٤١٨هـ)، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية، الناشر: وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية. ص: ٧٥

(۵) ماوردي، الأحكام السلطانية، ص١٤١

ایک جاسوس خاتون جس کے بارے میں آپ ﷺ نے حضرت علی کو روانہ کیا کہ اس سے خط لے کر آئیں آپؓ اس خاتون سے خط نکالنے کو کہا مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس نہیں ہے اس پر حضرت علی نے اس سے خط نکلوانے کے لئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ آپ خط دے دیں ورنہ ہم آپ کو برہنہ کریں گے [1]۔ اس خوف سے اس نے خط نکال دیا۔ اس واقعہ میں خط کے حوالے سے مصدقہ خبر موجود تھی اور یہ خبر ایک قوی شہادت تھی کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے خط لینے کو کہا تھا۔ لہذا حضرت علی کا اس خاتون سے اقرار خط کروانا اور خط نکلوانا جو دھمکی پر مبنی تھا دراصل اقرار بالجبر کی ہی ایک صورت ہے جو کہ بالکل درست ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک مقدمہ لایا گیا جس میں ملزم ابن ابی الحقیق کو پیش کیا گیا۔ اس شخص پر خیبر کے غزوہ کے بعد خزانہ چھپانے کے الزام تھا۔ یہ ملزم یہاں تک تو اقرار کرتا تھا کہ خزانہ اس نے حاصل کیا ہے مگر وہ کہتا تھا کہ اب وہ خرچ ہو چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شبہ کی بنا پر کہ خزانہ اس کے پاس موجود ہے کیونکہ قیاس یہ کیا گیا کہ مال زیادہ ہے اور خیبر کے واقعہ کو وقت کم گزرا ہے، اسی بنا پر اس کو قید میں رکھنے کا نہ صرف حکم دیا بلکہ حضرت زبیر بن عوام کو تحقیق کرنے پر مامور فرمایا۔ حضرت زبیر بن عوام نے تحقیق کے دوران اس پر تادیبی سزا کا نفاذ بھی کیا جس سے اس شخص نے چھپائے ہوئے خزانے کے بارے میں تمام بتا دیا [۲]۔

شریعت کی رو سے قاضی یا حاکم کو تفتیش میں تادیبی سزا کا اختیار سامنے آتا ہے۔ حالات وواقعات کے مدنظر رکھتے ہوئے قاضی ملزم پر تادیبی سزا چند شرائط کے ساتھ نافذ کر سکتا ہے تاکہ وہ ملزم سے معلومات اخذ کر سکے۔ بعض ملزم جرائم پیشہ ہوتے ہیں اور ان کا معاشرے میں تعارف ایک مجرم کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مجرم کا ساتھ دینے والے ہوتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں اگر قاضی یہ محسوس کرے کہ ملزم کچھ چھپا رہا ہے تو اس پر شرعاً جسمانی تشدد کرنا جائز قرار دیا گیا ہے لیکن اس تشدد کی نوعیت تادیبی ہو گی جرم کی سزا کے مترادف نہ ہو گی۔

تفتیش میں ملزم پر تشدد کے حوالے سے الماوردی فرماتے ہیں کہ جب ارتکاب جرم کا قرینہ موجود ہو اور ملزم اعتراف نہ کر رہا ہو یا کسی مقدمہ میں گواہوں کی حاضری نہ ہو سکے تو اس صورت میں قاضی پولیس کے ذریعے ملزم کو حراست میں لے سکتا ہے، اقرار کے لیے دباؤ ڈال سکتا ہے تاکہ ملزم سے متعلقہ حقیقت معلوم کی جا سکے۔

---

(۱) بخاري، محمد بن إسماعيل، (١٤٢٢هـ)، الصحيح، دار طوق النجاة. ٥٩/٤، رقم الحديث: ٣٠٠٧

(۲) ابن فرحون، إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري، (١٤٠٦هـ)، تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية . ٢ /٨٦

اسی طرح اگر کسی مقدمہ میں مدعاعلیہ پر جو الزام لگاہے اس سے متعلقہ ضمنی شہادت یا دستاویزی شہادت موجود ہے اگر ملزم دستاویزی شہادت کو تسلیم کر لے تو فیصلہ اس پر ہو گا اور اگر ملزم اس سے انکاری ہے تو قاضی دستاویزی شہادت کی چھان بین کرے گا اور تحقیق کے بعد اگر دستاویز درست معلوم ہوتی ہیں تو مدعی کو ڈرادھمکا کر درست بات معلوم کرے گا[(۱)]۔

قاضی شریح تفتیش میں سختی کرنے کو جائز سمجھتے تھے مگر اس وقت جب ملزم پر قرائن سے الزام درست معلوم ہوتا ہو اور ملزم اس سے کلیۃ انکاری ہو جبکہ حالت وواقعات میں ملزم پر جرم کے ثبوت کے قرینے موجود ہوں تو قاضی ملزم پر سختی کے ساتھ حقیقت حال سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں پر الزام لگایا گیا تو قاضی شریح نے اسے دھمکانا شروع کیا، لوگوں نے کہا کہ یہ درست نہیں کہ آپ شک کی بنا پر گرفت کرتے ہیں۔ تو اس پر انہوں نے کہا کہ مذبوح بکرے کی کلیجی گم ہو جائے تو قصاب کے علاوہ کس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا[(۲)]۔

حضرت علی نے ایک مقدمہ میں ملزموں کو بذریعہ پولیس گرفتار کروایا اور ان کو قید کیا پھر ہر ایک پر دو نگران مقرر کئے تاکہ وہ آپس میں کوئی تدبیر نہ کر سکیں۔ اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کے ساتھ سخت لہجے میں اور سخت الفاظ میں تفتیش کی۔ ہر ایک سے دوسرے کو علیحدہ بٹھایا اور غضبناک انداز اختیار کیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے جرم کے اقرار کر لیا[(۳)]۔

ایک یہودی نے ایک خاتون کو قتل کیا، آپ ﷺ نے اس خاتون سے دریافت کیا جس نے تیسری مرتبہ اثبات میں سر ہلایا، یہودی کو پکڑ کر لایا گیا تو اس پر خاصی سخت تفتیش کی گئی جس کے بعد اس نے اعتراف کر لیا[(۴)]۔
ہوا کہ تفتیش میں اصل بات کا ثبوت تلاش کرنے کے لئے ایسا حربہ استعمال کیا جاسکتا ہے جو ملزم کو ذہنی طور پر مرعوب کر دے اور وہ سچ اگلنے لگے یا کسی حد تک تادیبی سزا دینا موزوں قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) ماوري، الأحكام السلطانية، ص١٤٣

(۲) وكيع، أبي بكر محمد بن خلف بن حيان بن صدقة الضبي البغدادي، (١٩٤٧م)، أخبار القضاة، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى، بشارع محمد علي بمصر لصاحبها: مصطفى محمد. ٢/ ٢٧٤

(۳) الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين، علي بن خليل، (دون السنة) معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان. ص ١٧٣

(۴) بخاري، الصحيح، ٩/٥، رقم الحديث، ٦٨٧٩

ملزم پر تادیبی سزا کی حد:

کسی ملزم پر بھی جسمانی سزا مناسب نہیں خیال کی جاتی سوائے اس کے کہ جس کی ضرورت ہو مگر وہ اس قدر نہ ہو کہ ملزم کو مجرم کی سزا دی جائے۔ تادیبی سزا کا بھی حد سے تجاوز ظلم کے مترادف ہے۔ ایک ملزم کو ڈرانا دھمکانا اور اس کو تادیبی سزا دینے کا جواز تو معلوم ہوتا ہے مگر اس قدر سزا دینا کہ وہ حد سے تجاوز کر جائے ایسی سزا قابل قصاص ہے۔ حضرت عمر نے اپنے مکتوب میں بڑے واضح طور پر لکھا کہ اگر کسی شخص نے کسی کو تعزیری سزا دی (جو بلاوجہ ہو یا حد سے زیادہ ہے) تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔[(۱)] رسول اللہ ﷺ نے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے[(۲)]۔ نماز کے پابند لوگوں کو سزا دینا سوائے اس کے کہ ان پر جرم ثابت ہو جائے یا حدود کا معاملہ ہو منع کیا گیا ہے[(۳)]۔ اگر تادیبی یا تعزیری سزا کے دوران کسی شخص کو نقصان ہو جائے تو اس کا ضمان واجب ہوتا ہے[(۴)]۔

اگر کسی ملزم پر قوی تہمت ہو اور قرائن بھی اس کے ثبوت میں موجود ہوں تو اس وقت ملزم کو اس قدر سزا دینا جو حد سے تجاوز نہ کرے، جائز ہے۔ ایک مقام پر امام ابو یوسف نے خلیفہ وقت کو اس کے آدمیوں کے ظلم کے بارے میں لکھا کہ وہ ملزموں کو اس قدر شدید سزا دیتے ہیں کہ دو سو تین سو کوڑے مارتے ہیں۔ اس طرح کی سزا کی کوئی گنجائش نہیں۔ مسلمان کی ذات محفوظ و محترم ہے سوا اس کے کہ اس سے فاشی، قذف یہ ایسا جرم ہو جس کی سزا حد بیان کی گئی ہو[(۵)]۔

ملزم کے اہل و عیال کو بغیر کسی قوی قرینہ کے قید میں رکھنا شرعاً جائز نہیں۔ باغی لوگوں کے ساتھ جنگ جائز ہے مگر ان کے گھر والوں کو گرفتار کرنا اور قید میں رکھنا جائز نہیں[(۶)]۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی رشتہ دار نے یا

---

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج، ص ١٢٩

(۲) الدار قطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي، (١٤٠٢ھ)، سنن الدار قطني، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان. ٢ /٣٩٩، رقم الحديث، ١٧٥٧

(۳) أبو يوسف، الخراج، ص١٦٥

(۴) ماوردي، الأحكام السلطانية، ص ٣٤٧

(۵) أبو يوسف، كتاب الخراج، ص١٦٥

(۶) كنز الدقائق، ٣٩٠

کسی اس کے تعلق والے نے ملزم کو پناہ دی ہے یا اس کو اس کے روپوش ہونے یا چھپنے کا علم ہے تو اس کو پکڑنا اور اس سے معلومات لینا جائز قرار دیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ملزم پر جسمانی تشدد کا جواز پاکستان کے رائج قانون میں نظر نہیں آتا بلکہ ملزم کو محض الزام کی بنا پر بغرض حصول شہادت آئین پاکستان میں کلیۃ منع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی افسر ملزم پر دوران تفتیش تشدد کرتا ہے تو یقیناً وہ آئین پاکستان کے مذکورہ آرٹیکل کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔

جہاں تک شریعت میں ملزم پر جواز کی بات سامنے آتی ہے حالات و واقعات کے پیش نظر قاضی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ملزم کے ارتکاب جرم پر قرینہ موجود ہے اور اور اگر تفتیش کرتے ہوئے اس پر تادیبی سزا نافذ کی جائے تاکہ جرم کا سراغ مل جائے تو اس کی جواز کی صورت سامنے آتی ہے۔ دوسری طرف بغیر کسی قوی قرینہ کے اگر ملزم کو زدو کوب کیا جاتا ہے یا اس کو ذہنی آزمائش میں اس طرح مبتلا کیا جاتا ہے جس سے اس کو نقصان ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسا طرز عمل اختیار کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی بلکہ اس طرح کے طرز عمل اختیار کرنے والے پر قصاص کی سزا نافذ کی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

١. بخاري، محمد بن إسماعيل، (١٤٢٢هـ)، الصحيح، دار طوق النجاة.
٢. الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى، (١٣٩٥هـ)، السنن، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر
٣. ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، (١٤١٨هـ)، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية، الناشر: وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، المملكة العربية السعودية
٤. أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي، السنن، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا، بيروت
٥. الدار قطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي، (١٤٠٢هـ)، سنن الدار قطني، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان
٦. روزنامہ نوائے وقت
٧. شفقات احمد، چودھری، پولیس، جرائم اور تفتیش، کوآپریٹو بک کمپنی، اردو بازار، لاہور
٨. الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين، علي بن خليل، (دون السنة) معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام، الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان.

٩. ابن فرحون، إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري، (١٤٠٦هـ)، تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية

١٠. الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب، (دون السنة)، الأحكام السلطانية للماوردي، الناشر: دار الحديث، القاهرة

١١. النسفي، أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود، (٢٠١١م)، كنز الدقائق، الناشر: دار البشائر الإسلامية، دار السراج

١٢. ملک ارشاد احمد ارشد، (س-ن)، قانون شہادت، آرڈر ١٩٨٤، کمنٹری، منصور بک ہاؤس، 2کچہری روڈ، انار کلی، لاہور

١٣. وكيع، أبي بكر محمد بن خلف بن حيان بن صدقة الضبي البغدادي، (١٩٤٧م)، أخبار القضاة، الناشر: المكتبة التجارية الكبرى، بشارع محمد علي بمصر لصاحبها: مصطفى محمد

١٤. أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة الأنصاري، (دون السنة)، الخراج، الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث

15. Major Act 2007 ,A Publication of PLJ Committee,Punjab Bar Council, 9-fane Road, Lahore
16. Cambridge Advanced Learner`s Dictionary Third Edition
17. Code of Criminal Procedure 1898
18. Constitution of Pakistan
19. Featuring Black's Law Dictionary Free Online Legal Dictionary 2nd Ed
20. PLD 1973 (Pakistan Lwa Digest)
21. Police Act 1861
22. Qanun-e-Shahadat Order,1984